حصہ نیں سرایت کر چکی ہیں۔ اس لئے اس بات کا تجزیہ بڑا ضروری ہے کہ ان کا کونسا حصہ قابل عمل قرار دیا جائے۔ یعنی کونسا حصہ ترمیم و اضافے کے ساتھ اپنے فکری و دینی نظام عمل میں جذب کر لیا جائے۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں بڑا طویل عمل ہے اس کے لئے علوم جدیدہ اور جدید معاشریات کا گہرا مطالعہ قرآن مجید اور شعوریات اسلامی کی روشنی میں کرنا پڑے گا۔ ہم جتنے بھی دیندار کیوں نہ ہو جائیں "ماڈرنٹی" کے اچھے حصے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اور اگر ہم نے بے نیازی اختیار کی تو عام رویہ یہ ہوگا کہ عام لوگ مغربی معاشریات کو اختیار کرتے جائیں گے۔ بلا تنقید، جیسا کہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں اس سے بہتر ہے کہ جو صورت حال یا مجبوری پیدا ہو گئی ہے اس کا جائزہ ضرور لیں۔

علماء کا فرض ہے کہ وہ "جدیدیات" کے مطالعہ سے گریز یا انکار نہ کریں بلکہ ان کا بغور تجزیہ کریں۔ اور صالح تنقید کے ساتھ ضروری امور کو اختیار کریں باقی کو ترک کر دیں۔

اندریں حالات تدریج کے لفظ سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ یہ بڑا وسیع گہرا اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ بلاشبہ بقول آپ کے "اسلامی کتب خانہ مدون شکل میں سب باتوں سے مالامال ہے"۔ لیکن معاف فرمائیے اس کتب خانے میں جدید معاشریات کسی جگہ موجود نہ ہوگی کیونکہ جدید معاشریات تو جدید زمانے میں ہی ہو سکتی ہے۔ لہذا اپنے پرانے کتب خانے میں جدید معاشریات کا اسلامی تجزیہ بھی شامل کرنا چاہیے۔ ورنہ لوگ آپ کو پیچھے چھوڑ جائیں گے اور بالآخر مغرب کی ساری معاشریات کو آپ کی اجازت کے بغیر قبول کرتے جائیں گے۔

میری ذاتی رائے میں نفاذ شرع اسلامی کے سلسلے میں "دونوں طرف" کوئی پروگرام نفاذ کے طریقے کے بارے میں ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ یہ سب باتیں غور طلب ہیں۔ امید ہے کہ آپ میری ان تصریحات کو بے ادبی پر محمول نہ کریں گے۔ آخر میں قبلہ مولانا مدظلہ العالی کی خدمت میں میرا سلام عقیدت پیش کرتے ہوئے میرے لئے دعا کی استدعا کریں میں پہلے بھی بعض مشکلات میں ان کی دعا سے فیض یاب ہو چکا ہوں۔ وہ ایک مرتبہ پھر میرے لئے دعا فرمائیں والسلام بلکہ اکثر کرتے رہیں۔ ممنون ہوں گا۔

برصغیر کی آزادی میں علماء کا سیاسی کردار

جناب عبدالعزیز قریشی صاحب جھنگ صدر

مکرمی و محترمی! لاہور کے روزنامہ امروز کے یوم استقلال ایڈیشن ۸۰ء ۱۹ میں شیخ ابن الکریم ربانی صاحب کا ایک افتراق انگیز مضمون بعنوان "برصغیر کی آزادی میں علمائے اسلام کا سیاسی کردار" چھپا ہے۔ اس مضمون میں

مضمون نگار نے برصغیر کی آزادی میں علمائے اسلام کے کردار کو بُری طرح مسخ کر کے اور انتہائی متعصبانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مضمون نگار کے ذہن میں علماء کے خلاف تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اور مضمون نگار نے برصغیر کی تاریخ کا مطالعہ انتہائی جانبدارانہ طریقے سے کیا ہے۔

غالباً مضمون نگار کا علماء اسلام کے خلاف زوردار مضمون لکھنے کا مقصد یہ کہنا ہے کہ اس وقت کے علماء کو سیاست میں مداخلت نہ کرنی چاہئے تھی۔ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ نہ لینا چاہیئے لوگوں کو انگریزوں کے خلاف نہیں ابھارنا چاہیئے تھا۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کرنے کی بجائے علماء اسلام کو خانقاہوں اور حجروں میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر ساری عمر گزار دینی چاہئے تھی۔ یا مسجدوں میں دو رکعت کا امام بننا چاہئے تھا۔ اور سیاست کے میدان کی باگ ڈور چند کھلنڈرے انگریزوں کے پروردہ اور مغرب زدہ نام نہاد سیاست دانوں کے ہاتھوں میں رہنی چاہئے تھی جو قوم کو غلط راہ پر ڈال کر تباہی کے کنارے پر کھڑا کر دیں۔

فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ علماء کرام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے کر الٹا مسلمانوں کو ایک طاقتور دشمن کے سپرد کر دیا۔ لیکن غالباً مضمون نگار کو یہ معلوم نہیں کہ جب مسلمانوں پر ایک غیر مسلم قوم ظلم کے پہاڑ توڑنا شروع کر دے تو مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے اور اس کے لئے ضروری نہیں کہ اگر مسلمانوں کے پاس خلافت یا سلطنت نہ ہو تو عاجزی اور انکساری سے بلا چون و چرا اس غیر مسلم قوم کی برتری تسلیم کر لی جائے۔ اور ظلم کے خلاف مسلح جدوجہد نہ کی جائے۔

علماء اسلام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کرنے کے نتیجہ کے طور پر صوبہ سرحد کے غیور پٹھانوں نے تقریباً ایک صدی تک انگریزوں سے ٹکر لی اور ایک ایک انچ زمین کی حفاظت کے لئے جرأت و بہادری کی وہ عظیم الشان مثالیں قائم کیں جو رہتی دنیا تک تاریخ کے اوراق پر جگمگاتی رہیں گی۔ انہوں نے ملک کے دوسرے لوگوں کی طرح انگریزوں کے خون ریز پنجوں میں جانے کی بجائے "طاقتور" انگریزوں سے ٹکرلے کر ان کے ایوانِ اقتدار میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ صوبہ سرحد کے جیالوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تو کس کے ایماء پر یہ جہاد ہوا؟ یہ صرف علماء کرام ہی تھے اور آج بھی اس کا زندہ ثبوت ہے کہ علماء کرام ہی کی کوششوں کی بدولت اللہ کے فضل سے صوبہ سرحد کے مختلف قبائلی و دیہات ملک کے دوسرے صوبوں کے دیہاتوں سے زیادہ اسلام پر عمل پیرا ہیں۔

اگر تاریخ کا غیر جانبداری سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ برصغیر سے انگریزوں کے قدم اکھاڑنے میں علماء کرام کا حصہ بہت ہی زیادہ ہے۔ برصغیر میں سب سے پہلی چلائے جانے والی آزادی کی تحریک کی قیادت بھی ایک جید عالم مولانا عبید اللہ سندھی نے کی تاریخ گواہ ہے کہ سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل شہید، قاسم نانوتوی وغیرہ نے

اسلام کی حمایت میں انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ یہ سب علماء اسلام ہی تھے۔ علماء کرام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے کر برصغیر کے مسلمانوں کو طاقت ور دشمن کے سپرد نہیں کیا بلکہ اس وقت کے مغرب زدہ نام نہاد بعض راہ نماؤں نے مسلمانوں کو چند ٹکوں کی نوکری دلانے کے لئے اور ان سے انگریزوں کی قدم بوسی کرانے کے لئے برصغیر کے مسلمانوں کو حرام کھانے والی اور اسلام دشمن قوم کے سپرد ضرور کر دیا جس کے بداثرات آج بھی زائل نہیں ہوئے اور انگریزوں کی اس وقت کی قربت کے نتیجے کے طور پر آج بھی مسلمان اخلاقی لحاظ سے روز بروز کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔

آخر میں مضمون نگار نے برصغیر کے مسلمانوں کے قتلِ عام کی ذمہ داری بھی علماء اسلام پر ڈالنے کی کوشش کی ہے اور بقول مضمون نگار جب ملک کی تقسیم ہو رہی تھی تو اس وقت علماء کرام دشمنوں کی صفوں میں بیٹھ کر مسلمانوں کے قتلِ عام کا نظارہ دیکھ رہے تھے۔

میں فاضل مضمون نگار سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ قتلِ عام ان علماء نے کرایا جو ہندوستان کی تقسیم کے مخالف تھے جو یہ چاہتے تھے کہ مسلمان ان ہی علاقوں میں آباد رہیں جہاں وہ رہتے ہوں۔ یا قتلِ عام کے مجرم وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کا نعرہ لگا کر برصغیر کے سادہ دل مسلمانوں کو سبز باغ دکھا کر اندھا کر دیا۔ اور مقصد حاصل ہونے کے بعد بھی وہ اسلام نافذ نہ کر سکے۔ بلکہ پاکستان کے عوام کی صحیح قیادت کرنے کی بجائے ان کو اسلام کے منفی راستوں پر ڈال کر گمراہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پاکستان میں وقتاً فوقتاً قائم ہونے والی حکومتوں نے عوام میں طرح طرح کی بڑھتی ہوئی سماجی برائیاں ختم کرنے کی طرف تو توجہ نہ دی بلکہ ساری قوت علماء اسلام کے خلاف نفرت پھیلانے میں صرف کر دی جس کے نتیجے کے طور پر لوگ علماء اسلام ہی سے نہیں اسلام سے بھی بدظن ہوتے جا رہے ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ برصغیر کے بعض علماء نے تقسیم ہند کو درست نہ سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت کی۔ لیکن پاکستان کے قیام کے بعد انہوں نے یہ کہہ کر اپنی زبان بند کر لی کہ مسجد کی تعمیر سے پہلے مسجد کی جگہ اور طرزِ تعمیر کے بارے میں اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ لیکن مسجد مکمل ہونے کے بعد اختلاف کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ یہی مثال پاکستان کی ہے اور اب ہم اس کی تعمیر و ترقی کے لئے کوشش کریں گے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تقسیم ہند کے خلاف تھے وہ پاکستان بننے کے بعد تقریباً ۱۴ برس پاکستان میں زندہ رہے لیکن ایک بار بھی انہوں نے قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ لوگوں سے اس کی تصدیق کرائی جا سکتی ہے۔

بعض علماء نے قیام پاکستان کی مخالفت کی لیکن بعض جید اور فاضل علماء کرام نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ اور مشرقی

باقی صفحہ ۶۰